

مرزا ادیب

مرزا ادیب نے ۱۹۱۳ء میں لاہور کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی زندگی بڑی تنگدستی میں گزری۔ اصل نام دلاور علی اور قلمی نام مرزا ادیب ہے۔ ابتدائی تعلیم بھائی گیٹ کے ایک پرائمری سکول میں حاصل کر کے اسلامیہ ہائی سکول میں داخل ہوئے جہاں شعر و شاعری سے رغبت ہوئی۔ بعد میں ڈرامے اور افسانے لکھنا شروع کر دیئے۔ بی۔ اے پاس کر کے تعلیم کو خیر آباد کہہ دیا۔

۱۹۳۶ء میں ”ادب لطیف“ کے ایڈیٹر بنے۔ عمر کا زیادہ تر حصہ اس رسالے کی ادارت میں گزارا۔ چھ سال ممبئی میں رہ کر فلموں میں کام کیا۔ ۱۹۴۱ء میں ریڈیو سے وابستہ ہوئے۔ مختصر ڈرامہ کو ترقی دینے اور اسے مقبول بنانے میں مرزا ادیب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ کردار نگاری کو اس قدر اہمیت نہیں دیتے جس قدر آج کل ڈرامہ نویس دینے لگے ہیں۔ اُن کے کرداروں میں غیر معمولی کردار نہیں ہوتے اور رومانوی کردار بہت کم ہوتے ہیں۔ مرزا ادیب کے کردار عام زندگی کی تصویریں ہیں۔ مرزا ادیب آسان، سیدھی سادی روزمرہ بول چال کی زبان لکھتے ہیں۔ ”لہو اور قالین“ فصیل شب، پس پردہ اور ”شیشے کی دیوار“ کا شمار اردو کے بہترین ڈراموں میں ہوتا ہے۔ مرزا ادیب کا انتقال ۱۹۹۹ء میں لاہور میں ہوا۔



(مرزا ادیب)

مقاصد تدریس

- ۱۔ جذبہ حب الوطنی کو اجاگر کرنا۔
- ۲۔ طلبہ کو ڈرامے کے فنی لوازم سے آگاہ کرنا۔
- ۳۔ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے طلبہ میں ایثار کے جذبے کو فروغ دینا۔
- ۴۔ مرزا ادیب کے نثری اسلوب کے اوصاف بتانا۔

مشکل الفاظ: ادھیڑ عمر ، پلو ، چھدری ، ڈھنگ ، رخسار ، قوس قزح

- کردار۔ رضیہ، ماں، باپ، شاداں اور ایک سایہ
منظر۔ زمانہ 6 ستمبر 1965ء
مقام۔ شہر قصور کی ایک نواحی بستی
جائے وقوع۔ ایک دو منزلہ مکان کا نچلا کمرہ
وقت۔ شام

اسٹیج جس کمرے کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ ہمیں پہلا تاثر یہ دیتا ہے کہ ستمبر 1965ء کی بھارتی بمباری سے یہ مکان جس کا یہ کمرہ ایک حصہ ہے۔ کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے اور اب گھر والے اس کی آرائش و زیبائش کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

کمرے کا سامان کسی ترتیب سے نہیں رکھا گیا۔ دیواروں میں کچھ دراڑیں دکھائی دے رہی ہیں۔ سامنے کی دیوار میں ایک دروازہ جس کا ایک پٹ کھلا ہے۔ اس پٹ میں سے اوپر جانے والی سیڑھیاں نظر آرہی ہیں۔ دوسرا دروازہ دائیں دیوار میں جس کے آگے صحن ہے۔ باہر اندر آنے کے لئے یہی دروازہ استعمال ہوتا ہے۔

کمرے کے درمیانی حصے میں ایک میز، اس پر پھولوں سے یکسر محروم دو گلدان، چائے کی ٹرے، چند

خالی پیالیاں، ایک پلیٹ، پلیٹ پر روٹی کے کچھ ٹکڑے، ان کے علاوہ جاوید کی کم و بیش ایک فٹ اونچی اور ایک فٹ سے کچھ کم چوڑی تصویر کے رنگین فریم کے اوپر ایک سنہری ہار، یہ ہار فریم کے اوپر سے ہوتا ہوا میز پر پھیلا ہوا ہے۔

ادھر ادھر چار کرسیاں، ایک صوفہ سیٹ، صوفوں پر میلے کپڑے، کتابیں اور اخبارات، کمرے کے بلب روشن ہیں۔

پردہ اٹھنے پر ہم رضیہ کو دیکھتے ہیں جو میز کے پاس ایک کرسی پر اس انداز سے بیٹھی ہے کہ اس کا سر میز کے سرے پر جھکا ہوا ہے اور ہاتھوں نے سر اور چہرے کو اپنے حلقے میں لے رکھا ہے۔ اس کا جسم مسلسل کانپ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سسکیاں بھر رہی ہے۔ صحن والے دروازے سے ماں آتی ہے۔ چالیس کے لگ بھگ، چہرہ اداس اور ستا ہوا، لباس شلوار قمیض اور دوپٹہ، وہ بیٹی پر نظر جمائے آگے بڑھتی ہے۔ اس کے پاس آتی ہے اور جھک کر آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتی ہے (رضیہ کی کپکپاہٹ بڑھ جاتی ہے)۔

ماں: رجو..... نہ بیٹی! نہ

(ماں یہ فقرہ کہتے ہوئے نفی میں اپنا سر ہلاتی ہے اور رضیہ کو اٹھانے کی کوشش کرتی ہے)۔

رضیہ: (سراٹھائے بغیر) ام۔ امی۔ می!

ماں: اٹھو..... رجو! اٹھو تا بی بی رانی!

(ماں اس کے دائیں بازو پر ہاتھ رکھ دیتی ہے)۔

شاباش اٹھ بیٹھو!

(رضیہ اٹھنے لگتی ہے، سسکیاں ابھی تک جاری ہیں۔ رخسار آنسوؤں سے تر معلوم ہوتے ہیں۔ آنکھیں سوجی ہوئی ہیں) وہ اٹھ کر نگاہیں جھکائے کھڑی ہے۔ ماں شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگتی ہے۔

رضیہ کی عمر دس برس سے زیادہ نہیں۔ لباس وہی ہے جو ماں کا ہے۔ ایک لمحے کے لیے سراٹھا کر ماں کو دیکھتی ہے۔ اور پھر بے اختیاری کے عالم میں دائیں ہاتھ سے چہرہ ڈھانپ لیتی ہے۔ ماں کہتی ہے ”چپ بیٹی! چپ“۔

رضیہ: (ماں سے الگ ہوتے ہوئے) امی!

ماں: جاؤ بیٹی۔ منہ ہاتھ دھو لو۔

(رضیہ صحن والے دروازے کی طرف جانے لگتی ہے۔ ماں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہتی ہے، جب وہ دروازے میں سے گزر جاتی ہے تو تصویر کو دیکھتی ہے۔ ایک آہ بھرتی ہے اور ٹرے میں پلیٹ اور خالی پیالیاں رکھنے لگتی ہے۔ صحن والے دروازے سے باپ آتا ہے۔ ادھیڑ عمر کا آدمی، کمر کسی قدر جھکی ہوئی، چھدری داڑھی، آنکھوں پر عینک، ہاتھ میں چھڑی، پاچامے کرتے اور واسکٹ میں ملبوس، دائیں شانے پر پیلے رنگ کا پنکا، چہرہ افسردہ مگر معلوم ہوتا ہے اپنی افسردگی پر قابو پانے کا ڈھنگ جانتا ہے۔ ماں اپنے کام میں مصروف ہے)۔

باپ: فاطمہ!

(ماں ٹرے وہیں میز پر رکھ دیتی ہے)

ماں: آپ کہاں چلے گئے تھے۔

باپ: یہیں تھا، رجو کہاں گئی؟

ماں: میں آئی تو میز پر سر رکھ کر رو رہی تھی!

باپ: بچی ہے نا۔ صبر آتے آتے آئے گا!

ماں: اور آج کے دن تو زخم ہرے ہو گئے ہیں ہم سب کے!

باپ: آج کے دن۔ (فقہہ مکمل نہیں کرتا) اور اب کہاں ہے؟

ماں: میں نے کہا تھا۔ منہ دھو لو، غسل خانے میں گئی ہے!

باپ: یہ ہار کس نے ڈالا ہے؟

(باپ آگے بڑھ کر چھڑی میز پر رکھ دیتا ہے اور تصویر پر نظر ڈالتا ہے)۔

ماں: رجونے..... بھائی کے گلے میں تو ڈال نہ سکی۔ اس کی تصویر۔

(ماں فقہہ مکمل نہیں کر پاتی۔ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھے لگتی ہے)۔

باپ: اللہ کو یہی منظور تھا فاطمہ!

ماں: اچھا اللہ کی مرضی!

باپ: یہ سعادت دنیا میں کسی بڑے خوش قسمت ہی کے حصے میں آتی ہے۔

شہادت کو تم کیا سمجھتی ہو؟ وطن کی خاطر جان دینے کا شرف کسی خوش قسمت ہی کو ملتا ہے۔

ماں: اچھا اللہ ہمیں صبر دے! میں نے کہا رجو کے ابا!
(ماں سر اٹھا کر شوہر کو دیکھتی ہے)

باپ: کہو!

ماں: تصویر اٹھا کر کہیں اور نہ رکھ دوں! (ماں شوہر کے جواب کا انتظار کیے بغیر تصویر اٹھانے لگتی ہے، دروازے پر رضیہ آتی ہے۔)

باپ: رہنے دو (ماں تصویر وہیں رکھ دیتی ہے۔ رضیہ آتی ہے اور ہار کی ترتیب درست کرنے لگتی ہے۔ ماں اور باپ دونوں کی نظریں اس پر جمی ہیں۔)

باپ: رجو بیٹی!

رضیہ: جی ابا جان!

(رضیہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر ہار کا جائزہ لینے لگتی ہے)

باپ: تم نے پرسوں ترسوں کہا تھا مجھ سے کہ واپسی پر تمہارے لئے ٹافیاں لیتا آؤں مجھے یاد ہی نہیں رہی یہ بات! چلو اب لے آیا ہوں جو ٹافیاں اچھی لگیں، لے لیتا۔ (رضیہ نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

(باپ دروازے کی طرف جانے لگتا ہے۔ رضیہ ابھی تک وہیں کھڑی ہے)

ماں: جاؤ رجو! تمہارے ابا جی کہہ رہے ہیں۔ کیا ان کا کہا نہیں مانو گی؟

(رضیہ دروازے کی طرف دیکھتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگتی ہے۔ دونوں دروازے میں سے نکل

جاتے ہیں۔ ماں تصویر کو دیکھتی ہے اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ ”میرے اللہ“ وہ میز کے پاس

کھڑی ہے کہ صحن والے دروازے سے آواز آتی ہے۔ ”رضیہ“ ماں مڑ کر دیکھتی ہے اور کہتی ہے ”آؤ شاداں

بہن!“۔ دو تین لمحوں کے بعد شاداں آتی ہے۔ ماں کی ہم عمر، لباس وہی۔ شاداں آگے بڑھتی ہے۔ اس کا چہرہ

مسکرا رہا ہے۔ مگر جیسے ہی نظر تصویر پر پڑتی ہے۔ اداس ہو جاتی ہے۔)

شاداں: کیا بات ہے؟ آج دن بھر اوپر نہیں آئیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم لوگ گھر پر نہیں، اتنی خاموشی!

ماں: ہم تو کہیں بھی نہیں گئے۔ یہیں دن بھر رہے!

شاداں: کوئی آواز نہیں آئی نہ تمہاری نہ رضیہ کی!

ماں: کیا بتاؤں بہن!

شاداں: خیر تو ہے۔ کوئی خاص بات۔

ماں: آج جاوید کی چوبیسویں سالگرہ ہوتی!

شاداں: ۶ ستمبر کو!

ماں: یہی اس کے پیدا ہونے کا دن ہے اور یہی دن..... (ماں شدت تاثر سے خاموش ہو جاتی ہے)۔

شاداں: کتنا خوبصورت نوجوان ہے۔

ماں: تصویر تو اس کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی۔ تمہارا کنبہ پچھلے سال یہاں نہیں تھا ورنہ تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتیں اب تو.....

شاداں: تصویر ہی کو دیکھا جاسکتا ہے!

ماں: یہی دن تھا..... صبح سے گھر میں بڑی رونق تھی۔ میری رجو نے یہاں رنگا رنگ جھنڈیاں لگا رکھی تھیں۔ سب عزیز، ہمسائے، دوست جمع کر رکھے تھے۔ اتنی چہل پہل، اتنا ہنگامہ تھا کہ لگتا تھا کہ کسی کی شادی ہو رہی ہے۔ رجو کو بھائی کی سالگرہ منانے کا بڑا شوق تھا۔ کئی مہینوں سے وہ اس دن کا انتظار کر رہی تھی۔ دوست احباب میرے جاوید کو تحفے دے رہے تھے۔ رجو نے ایک ایک پیسہ جمع کر کے جو سنہری ہار خریدا تھا وہ الماری سے نکال کر خوشی خوشی بھائی کی طرف لے جا رہی تھی کہ عین اس وقت..... (ماں ایک لمحے کے لئے رک جاتی ہے)۔

شاداں: کیا ہوا۔

ماں: دروازے پر دستک ہوئی۔ جاوید کو فوج میں شامل ہونے کا حکم ملتے ہی وہ جانے لگا۔ ہم نے روکا تو کہنے لگا وطن نے پکارا ہے۔ میں نہیں رک سکتا۔

شاداں: اسی وقت چلا گیا۔

ماں: اسی گھڑی، اسی لمحے! بہن کہتی رہی۔ بھائی جان! یہ ہار تو گلے میں ڈال لو مگر نہ مانا۔ بولا۔ واپس آ کر یہ ہار گلے میں ڈالوں گا۔ اور چلا گیا۔ رجو ہار ہاتھ میں لے کے گلی میں نکل گئی لیکن.....

شاداں: اور وہ واپس نہ آیا! (ماں اس کے جواب میں کچھ نہیں کہتی۔ صرف اک آہ بھرتی ہے)۔

شاداں: میں بھی سوچتی تھی آج بات کیا ہے..... رضیہ کہاں ہے؟

ماں: تمہارے آنے سے دو تین منٹ پہلے اپنے باپ کے ساتھ باہر گئی ہے۔

شاداں: میرے ہاں نہیں بھیج دیا اسے..... عذر ادا دل بہلا لیتی اس کا۔

ماں: بڑی اداس ہے۔

شاداں: اداس کیوں نہیں ہوگی (جاتے ہوئے) اب بھیج دینا۔

ماں: اچھا!

(شاداں صحن والے دروازے کی طرف جانے لگتی ہے اور چلی جاتی ہے..... شاداں چلی گئی ہے مگر ماں ابھی تک دروازے کو دیکھ رہی ہے۔ میز پر سے ٹرے اٹھاتی ہے۔ اس کے اوپر باقی پیالیاں رکھنے لگتی ہے۔ رضیہ آتی ہے۔ ہاتھ میں ایک لغافہ وہ لاکر میز پر رکھ دیتی ہے۔)

ماں: رجو!

رضیہ: جی!

ماں: عذرانے تمہیں بلایا ہے۔

رضیہ: کل جاؤں گی۔

ماں: بیٹی! اس نے بلایا ہے۔ اس کی ماں کہہ کر گئی ہے کہ رضیہ کو ہمارے ہاں بھیج دینا۔

رضیہ: چلی جاؤں گی۔

ماں: جلدی جاؤ۔ میں برتن صاف کر دوں۔ صبح سے پڑے ہیں۔ (ماں پلیٹ اور پیالیاں لے کر سیڑھیوں والے

دروازے کی طرف جاتی ہے۔ ایک منٹ کے بعد وہ سیڑھیوں پر چڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ رضیہ وہیں کھڑی رہتی ہے۔ آگے بڑھ کر تصویر کے قریب ہو جاتی ہے۔ روشنی مدھم ہونے لگتی ہے۔ یہ روشنی اتنی مدھم ہو چکی ہے کہ سٹیج پر اب جو بھی موجود ہوگا وہ واضح طور پر نظر نہیں آئے گا۔ صحن والے دروازے کی طرف سے ایک سایہ بڑھتا ہے۔ یکا یک رضیہ کی آواز ابھرتی ہے۔

رضیہ: بھائی جان!

جاوید: رضیہ!

رضیہ: آپ..... اوہ..... بھائی جان! کہاں تھے!

جاوید: یہاں وہاں، جہاں تہاں! ہر جگہ، ہر مقام پر! کہاں نہیں تھا میں؟

رضیہ: آپ تو میدان سے لوٹے ہی نہیں تھے۔ اباجی کہتے تھے کہ انہوں نے آپ کا لہو سے بھرا ہوا جسم دیکھا تھا۔ اور

بھائی! آپ بھائی جان ہیں نا؟

جاوید: تم دیکھ نہیں رہیں مجھے!

رضیہ: ہائے رے ہمیں آپ کا کتنا انتظار تھا۔

جاوید: مجھے معلوم تھا۔ میری بہن میرا انتظار کر رہی ہے۔

رضیہ: معلوم ہے آج کونسا دن ہے۔

جاوید: ۶ ستمبر۔ میری سالگرہ کا دن!

رضیہ: پچھلے سال اسی دن میں نے اپنا گھر سجا یا تھا۔ کتنی رونق تھی ہمارے یہاں۔ کتنے لوگ آئے تھے اور آپ کو معلوم ہے؟

جاوید: مجھے سب کچھ معلوم ہے!

رضیہ: میں کتنا خوبصورت ہار آپ کے لئے لائی تھی خرید کر!

جاوید: وہ ہار میں اب بھی دیکھ رہا ہوں!

رضیہ: میری کتنی آرزو تھی کہ یہ ہار آپ کے گلے میں ڈالوں۔ مگر آپ چلے گئے۔

جاوید: اسی لئے تو آ گیا ہوں۔

رضیہ: کس لئے؟

جاوید: وہ ہار تم اب بھی میرے گلے میں ڈال سکتی ہو!

رضیہ: اچھا!

جاوید: کیوں نہیں

رضیہ: تو..... اتار دوں ہار!

جاوید: کیوں نہیں۔

(ہار فضا میں لہراتا ہے)

رضیہ: اوہ بھائی جان!

جاوید: اب تو خوش ہونا!

رضیہ: (ہنستے ہوئے) پسند ہے نا یہ ہار آپ کو!

جاوید: اپنی رضیہ کا ہار مجھے پسند نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا۔ یہ ہار تو شفیق اور قوس و قزح کو گوندھ کر بنایا گیا ہے..... کتنا

پیارا..... خوبصورت ہار ہے۔

رضیہ: بھائی جان!

جاوید: ہاں رضیہ!

رضیہ: آپ دروازے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں۔

جاوید: مجھے جانا ہے۔

رضیہ: نہیں بھائی جان!

جاوید: دیکھو رضیہ میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی، اب مجھے جانا چاہئے۔

رضیہ: آپ کیوں جائیں گے؟

جاوید: کیونکہ مجھے جانا..... اور جانا کہاں ہے۔ پہلے کی طرح یہیں رہوں گا۔ تمہارے آس پاس، صبح کی روشنی میں..... دوپہر

کی دھوپ میں۔ ہر وقت تمہارے قریب۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکتیں مگر میں تمہیں دیکھا کرتا ہوں۔ صبح سویرے جاتے

ہوئے، گھر لوٹتے ہوئے، ابا جان، امی جان سے باتیں کرتے ہوئے، سہیلیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے۔ سنا رضیہ!

رضیہ: بھائی جان! نہ جائیں آپ، نہ جائیں (سایہ پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔ دوسرا سایہ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ بھائی جان

کہتی ہوئی آواز بلند ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی سٹیج پر روشنی آجاتی ہے۔ روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ رضیہ

دروازے سے کچھ دور کھڑی ہے۔ باپ دروازے میں سے بڑھ رہا ہے۔)

رضیہ: وہ آئے تھے۔ (ماں آتی ہے)

ماں: کون آئے تھے؟

رضیہ: بھائی جان..... ابھی یہیں تھے..... میں نے ان کے گلے میں ہار ڈالا تھا۔

ماں: اچھا۔ (ماں اور باپ دونوں کی نظریں ہار پر جاتی ہیں جو تصویر کے گرد بدستور دکھائی دے رہا ہے۔)

باپ: بیٹی! جانے والے کب لوٹ کر آتے ہیں۔ (آہ بھرتا ہے۔)

رضیہ: کہتے تھے تم میرے گلے میں ہار ڈالنا چاہتی تھی اس لئے آگیا ہوں۔ میرے گلے میں ہار ڈالو۔

ماں: بھائی کے خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی نا!

(شاداں آتی ہے۔)

شاداں: ماں سے رضیہ کو تم نے بھیجا کیوں نہیں۔ عذرا انتظار کر رہی ہے۔

(حیران ہو کر) کیا ہوا..... معاملہ کیا ہے؟

ماں: کہتی ہے بھائی جان آئے تھے اور میں نے ان کے گلے میں ہار ڈالا تھا۔

شاداں: خواب دیکھا ہوگا!

رضیہ: نہیں چاچی! میں نے اپنے ہاتھوں سے ان کے گلے میں ہار ڈالا تھا۔

شاداں: ہار تو وہ پڑا ہے بچے! (شاداں آگے بڑھ کر ہار اٹھانے کی کوشش کرتی ہے کہ یکا یک چونک کر ہاتھ پیچھے ہٹا لیتی ہے)۔

ماں اور باپ (ایک ساتھ) کیا ہوا؟

شاداں: ہار پر لہو۔

(ماں جلدی سے ہار اٹھا لیتی ہے)۔

ماں: سچ۔ لہو!

ماں، باپ اور شاداں حیرت سے ہار کو دیکھ رہے ہیں۔ رضیہ کی نگاہیں دروازے پر جمی ہیں اور اسی حالت میں

جلدی سے پردہ گرتا ہے۔ (از پس پردہ)

(لہو اور قالین)

مشق

۱۔ مختصر جوابات دیں۔

(الف) یہ ڈرامہ کس جنگ کے واقعہ پر مبنی ہے؟

(ب) جاوید کس تاریخ کو پیدا ہوا اور اس کی شہادت کس تاریخ کو ہوئی؟

(ج) اسٹیج پر کمرے کی حالت بیان کریں۔

(د) رضیہ اور شاداں کے درمیان کیا رشتہ تھا؟

(ه) رضیہ کی ماں کی عمر کتنی تھی؟

- (و) وہ سایہ جو رضیہ کو نظر آیا کس کا تھا؟
 (ز) باپ نے شہید کے بارے میں کس قسم کے خیالات کا اظہار کیا؟
 (ح) جب جاوید کو فوج میں شامل ہونے کا حکم ملا تو اُس کا کیا ردِ عمل تھا؟
 (ط) جاوید کے فوج میں شامل ہونے کے دن گھر کا ماحول کیسا تھا؟
 (ی) جب شاداں نے ہار اٹھانے کی کوشش کی تو یکا یک ہاتھ کیوں پیچھے کیا؟

- ۲۔ مرزا ادیب نے اس ڈرامے میں کیا پیغام دیا ہے؟
 ۳۔ اس ڈرامے کے کرداروں کے نام لکھیں۔
 ۴۔ اس ڈرامے کو مختصر کہانی کی صورت میں تحریر کریں۔
 ۵۔ درج ذیل الفاظ و محاورات کے معنی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔
 سسکیاں بھرنا - ڈھانپ لینا - زخم ہرے ہونا - چہل پہل ہونا - دل بہلانا - سعادت شرف - بدستور - جہاں تہاں
 ۶۔ ڈرامے کے اجزائے ترکیبی بیان کریں۔
 ۷۔ درج ذیل الفاظ کے مترادف الفاظ لکھیں۔
 آرائش - دراڑیں - نظریں - رخسار - ضمن - حسین - آرزو

سرگرمی

ڈرامہ پڑھاتے ہوئے مختلف طلبہ کو ڈرامے کے کرداروں میں تقسیم کر کے اُن کے درمیان مکالمہ کروایا جائے اور کرداروں کے لب و لہجہ کو سمجھ کر ادائیگی کی ترغیب دی جائے۔

اشارات تدریس

- ۱۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ پاکستان پاک فوج کے جاٹار شہیدوں کی قربانیوں کی بدولت قائم و دائم ہے۔
- ۲۔ اس بات کی وضاحت کی جائے کہ شہید کا اسلام میں بہت بلند مرتبہ ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔
- ۳۔ طلبہ کو مرزا ادیب کی ڈرامہ نگاری کی چیدہ چیدہ خصوصیات سے آگاہ کیا جائے۔